دارِارقم - اولین مرکزِ دعوت

ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی

سیرتِ نبوی کے مکی عہد میں 'دارارقم' کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے۔ اُس زمانے میں، جب کہ دعوت اسلامی کے ننھے سے پودے میں کونپلیں پھوٹ رہی تھیں اور سعید روحیں حلقہ بہ گوش اسلام ہو رہی تھی، اس گھر نے نہ صرف یہ کہ انھیں تحفظ فراہم کیا اور سردارانِ قریش کے ظلم وستم کا شکار ہونے سے بچایا، بلکہ ان کی تعلیم وتربیت کا بھی موقع فراہم کیا اور رسول اللہ ﷺ پر نازل ہونے والے اللہ کے کلام کو سننے اور آپؐ سے دین سیکھنے کا معقول نظم کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ بیش تر اکابر صحابہ دارارقم ہی کے تربیت یافتہ تھے۔[۱] اسی اہمیت کی بنا پر مورخین نے دارارقم میں رسول اللہ ﷺ کے قیام کو سیرت نبوی کے اہم ترین واقعات میں شمار کیا ہے۔ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ جب وہ مکی عہد کی ابتدا میں کسی شخص کے اسلام قبول کرنے کا تذکرہ کرتے ہیں تو یوں لکھتے ہیں:

أسلم قبل دخول رسول الله ﷺ دار الأرقم وقبل أن يدعو فيها.[۲]	وہ رسول اللہ ﷺ کے دارارقم کو مرکزِ دعوت بنانے سے پہلے اسلام لائے۔

دارِارقم کی اس اہمیت کے باوجود مورخین اور سیرت نگاروں نے اسے تفصیلی بحث وتحقیق کا موضوع نہیں بنایا ہے۔ اس معاملے میں قدیم سیرت نگاروں کو تو معذور قرار دیا جا سکتا ہے کہ واقعاتِ سیرت محض زمانی ترتیب سے بیان کر دینا عموماً ان کے پیش نظر رہا ہے، لیکن مقامِ حیرت ہے کہ جدید سیرت نگاروں نے بھی اسے درخورِ اعتنا نہیں سمجھا ہے اور اس پر دادِ تحقیق نہیں دی ہے۔

دعوتِ اسلامی کے ابتدائی دور میں ایک خفیہ مرکز بنانے کی ضرورت کیوں پیش آئی ؟ اس کے لیے دارِارقم کو کیوں منتخب کیا گیا؟ اسے مرکز بنانے سے قبل کتنے افراد اسلام قبول کر چکے تھے؟ رسول اللہ ﷺ نے اس میں کتنا عرصہ قیام کیا ؟ اس مدت میں مزید کتنے افراد کو قبولِ اسلام کی سعادت حاصل ہوئی ؟ دارِارقم میں رسول اللہ ﷺ اور دیگر صحابہ کی مصروفیات کیا رہتی تھیں؟ یہ اور اس طرح کے دیگر سوالات ہیں، جن کے جوابات فراہم کرنے کی ضرورت ہے۔ اس موضوع پر تحقیق کی ضرورت یوں بھی ہے کہ قدیم کتبِ سیرت میں اس سلسلے کی جو معلومات ملتی ہیں وہ باہم متضاد ہیں اور ان سے کنفیوژن پیدا ہوتا ہے۔ ضرورت ہے کہ بحث و تحقیق کے ذریعے ان کی تنقیح کی جائے اور صحیح صورت حال واضح کی جائے۔

مکی عہد کی ابتدا میں ایک خفیہ مرکز کی ضرورت

منصبِ نبوت سے سرفراز ہوتے ہی اللہ کے رسول ﷺ نے دعوت کا کام شروع کر دیا تھا اور آپؐ کے قریب ترین لوگ آپ پر ایمان لے آئے تھے۔ اصحابِ سیر نے اولین اسلام قبول کرنے والوں میں حضرت خدیجہؓ، حضرت ابوبکرؓ، حضرت علیؓ اور حضرت زید بن حارثہؓ کے نام لیے ہیں۔ قرین قیاس ہے کہ آپؐ کی تین صاحب زادیاں (حضرت زینبؓ، حضرت رقیہؓ اور حضرت ام کلثومؓ) بھی، جو اس وقت سنِ شعور کو پہنچ گئی تھیں، ضرور اپنی والدہ کے ساتھ ایمان لے آئی ہوں گی۔ لیکن آپؐ نے حکمتِ عملی یہ اختیار فرمائی کہ ابتدا میں اعلانِ نبوت کرنے اور لوگوں کو کھلے عام اسلام کی دعوت دینے کے معاملے میں احتیاط برتی اور خفیہ طریقے سے اور انفرادی طور پر صرف ان لوگوں تک اسلام پہنچاتے رہے، جن کے بارے میں امید ہوتی تھی کہ وہ نہ صرف یہ کہ اسے قبول کرلیں گے، بلکہ اسے اس وقت تک راز میں رکھیں گے، جب تک کہ دعوتِ عام کا حکم نہ آجائے۔

حضرت ابوبکرؓ اپنی قوم میں بڑی عزت و وجاہت کے مالک تھے۔ تجارت پیشہ ہونے کی وجہ سے ان کے بڑے وسیع تعلقات تھے۔ ان کی کوششوں سے بہت سے حضرات حلقہ بہ گوش اسلام ہوئے۔ علامہ ابن کثیرؒ نے ان کے ذریعہ اسلام قبول کرنے والوں میں خاص طور پر عثمان بن

عفان، زبیر بن عوام، طلحہ بن عبیداللہ، سعد بن ابی وقاص، عبدالرحمٰن بن عوف، عثمان بن مظعون، ابوعبیدہ بن الجراح، ابوسلمہ بن عبدالاسد اور ارقم بن ابی ارقم رضی اللہ عنہم کے نام ذکر کیے ہیں۔[۳] پھر ان لوگوں نے اپنے حلقۂ احباب میں کام کیا اور ان کی کوششوں سے خاصی بڑی تعداد میں لوگ مشرف بہ اسلام ہوئے۔

توحید کے اقرار اور شرک و بت پرستی سے براءت کے بعد اللہ تعالی کی جانب سے سب سے پہلے نماز فرض کی گئی۔ رسول اللہ ﷺ پر پہلی مرتبہ وحی نازل ہونے کے بعد حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آپ کو وضو اور نماز کی تعلیم دی اور آپ نے اسے اسلام قبول کرنے والوں کو سکھایا۔ یہ لوگ مکہ کی سنسان گھاٹیوں میں چھپ کر نماز پڑھتے تھے، تاکہ کسی کو خبر نہ لگنے پائے۔ کچھ ہی عرصہ کے بعد ایک دن اچانک ایک ایسا واقعہ پیش آ گیا، جس سے اندیشہ پیدا ہو گیا کہ نہ صرف یہ کہ راز داری باقی نہیں رہ سکے گی، بلکہ مشرکین اور اہلِ ایمان کے درمیان تصادم شروع ہو جائے گا۔ ہوا یہ کہ مسلمان مکہ کی ایک گھاٹی میں نماز ادا کر رہے تھے۔ انھیں مشرکین کے ایک گروہ نے دیکھ لیا۔ وہ انھیں برا بھلا کہنے لگے۔ نوبت لڑائی تک جا پہنچی۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے ایک شخص کو، جس کا نام روایتوں میں عبداللہ بن خطل تیمی یا عقبہ بن ابی معیط بیان کیا گیا ہے، اونٹ کی ایک ہڈی کھینچ کر ماردی، جس سے اس کا سر پھٹ گیا۔[۴]

اس واقعہ کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ضرورت محسوس کی کہ کوئی ایسی جگہ متعین کر دی جائے جہاں مسلمان اکٹھا ہو کر نماز ادا کر سکیں اور جو لوگ اسلام قبول کرتے جائیں وہ وہاں رہ کر دین کی بنیادی تعلیم حاصل کر سکیں اور وہ جگہ مشرکین کی نگاہوں سے اوجھل بھی ہو، تاکہ وہاں پہنچ کر انھیں فتنہ و فساد پھیلانے کا موقع نہ ملے۔ حضرت ارقمؓ نے اس کام کے لیے اپنا مکان پیش کیا اور اس کی مخصوص پوزیشن کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے ان کی پیش کش قبول کر لی۔ اس طرح ان کا گھر دعوت و تبلیغ کا اولین مرکز بن گیا۔

مولانا سید جلال الدین عمری نے لکھا ہے:

''اب ان لوگوں کے لیے جو اسلام قبول کر رہے تھے، ایک ایسی جگہ کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی جو ان کا مرکز ہو، جہاں وہ قرآن مجید کی تعلیم کے لیے جمع ہو سکیں جو اس وقت

حسبِ حال وہاں نازل ہورہا تھا، جہاں وہ رسول اللہ ﷺ سے، جو سرچشمۂ ہدایت تھے، قدم قدم پر رہ نمائی حاصل کرسکیں، جہاں ان کی فکری، اخلاقی اور عملی تربیت ہوسکے، جہاں وہ باہم مل کر اس دین کو پھیلانے کے لیے مشورہ کرسکیں اور تدابیر سوچ سکیں اور جہاں وہ ایک دوسرے سے مل کر عزم وہمت اور صبر وثبات کا درس حاصل کرسکیں۔ اس کے لیے حضرت ارقمؓ نے اپنا مکان پیش کردیا، جو آبادی سے کسی قدر ہٹ کر صفا کی پہاڑی پر واقع ہونے کی وجہ سے اس مقصد کے لیے بہت موزوں تھا۔'' [5]

حضرت ارقمؓ - مختصر حالاتِ زندگی

دارِ ارقم کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جس صحابیٔ جلیل کی طرف ہے، اسے تاریخ الارقم بن ابی الارقم کے نام سے جانتی ہے۔

حضرت ارقمؓ کا تعلق قبیلہ قریش کے مشہور خاندان بنومخزوم سے تھا۔ ان کے والد کا نام عبد مناف تھا، لیکن شہرت ابوالارقم کی کنیت سے ملی۔ والدہ کے نام اور خاندان کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض روایات کے مطابق ان کا نام تماضر بنت حذیم تھا اور وہ بنوسہم سے تھیں۔ کچھ دوسری روایتوں میں ہے کہ ان کا نام امیمہ تھا اور وہ عبدالحارث کی بیٹی تھی۔ بعض حضرات نے ان کا نام صفیہ اور ان کے باپ کا نام حارث لکھا ہے اور ان کا تعلق بنوخزاعہ سے بتایا ہے۔ حضرت ارقمؓ کی کنیت ابوعبداللہ اور ابوعبدالرحمٰن تھی۔ ان کا سلسلۂ نسب یہ ہے: الارقم بن ابی ارقم عبد مناف بن اسد بن عبداللہ بن عمرو بن مخزوم۔

حضرت ارقمؓ السابقون الاوّلون میں سے ہیں۔ انھیں بعثتِ نبوی کے بعد ابتدائی زمانے میں قبولِ اسلام کی سعادت حاصل ہوگئی تھی۔ ابن سعدؒ اور حاکمؒ نے انھیں ساتواں مسلمان (سابع سبعة) قرار دیا ہے۔ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ وہ دس افراد کے بعد اسلام لائے۔ ابن الاثیرؒ نے انھیں بارہواں مسلمان بتایا ہے۔ انھوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت ارقمؓ، حضرت عبیدہ بن حارثؓ اور حضرت عثمان بن مظعونؓ ایک ساتھ ایمان لائے تھے۔ اس وقت حضرت ارقمؓ کی عمر صرف سولہ سال تھی۔

سیرت نگاروں نے صراحت کی ہے کہ حضرت ارقمؓ غزوۂ بدر، غزوۂ احد اور بعد کے تمام غزوات میں شریک رہے۔ البتہ عہدِ خلفائے راشدین میں ان کی کسی سرگرمی کا پتہ نہیں چلتا۔ حضرت معاویہؓ کے عہدِ خلافت میں ۵۳ھ یا ۵۵ھ میں پچاسی (۸۵) سال کی عمر میں ان کا انتقال ہوا۔ ان کی وصیت کے مطابق حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے ان کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔[۶]

دارِ ارقم کو مرکزِ دعوت بنائے جانے کی وجوہ

دارِ ارقم کو مرکزِ دعوت بنائے جانے کے وقت تک بہت سے صحابہ اسلام قبول کر چکے تھے۔ وہ مختلف خاندانوں اور قبائل سے تعلق رکھتے تھے۔ ان میں سے بعض خاندانی وجاہت اور مال ودولت کے اعتبار سے بھی بڑے مرتبے کے تھے، لیکن اللہ کے رسول ﷺ نے ان میں سے کسی کے گھر کو مرکزِ دعوت بنانے کے بجائے حضرت ارقمؓ کے گھر کو اس کام کے لیے کیوں پسند فرمایا؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اس وقت کے نازک حالات کے پیشِ نظر آں حضرت ﷺ اس مرکزِ دعوت کو خفیہ رکھنا چاہتے تھے اور اس اعتبار سے حضرت ارقمؓ کا گھر بہت موزوں تھا۔ اس کی وجوہ درج ذیل ہیں:

اول: حضرت ارقمؓ ابھی تک اپنے قبولِ اسلام کو پوشیدہ رکھے ہوئے تھے اور مشرکین کو اس کی خبر نہ لگ سکی تھی۔ اس بنا پر کسی کے حاشیۂ خیال میں بھی یہ بات نہ آ سکتی تھی کہ ان کے گھر میں اللہ کے رسول ﷺ اور اہلِ ایمان جمع ہو سکتے ہیں۔

دوم: حضرت ارقمؓ قبولِ اسلام کے وقت نوعمر تھے۔ اس وقت اگر مشرکینِ قریش یہ جاننا چاہتے کہ اللہ کے رسول اپنے اصحاب کے ساتھ کہاں ملتے ہیں تو وہ صحابۂ بنی ہاشم، دیگر اکابر صحابہ، حضرت ابوبکرؓ یا خود حضور کے گھر میں آپؐ کو تلاش کرتے، حضرت ارقمؓ جیسے نوعمر صحابی کے گھر کی طرف ان کا ذہن نہیں جا سکتا تھا۔

سوم: حضرت ارقمؓ کا تعلق بنومخزوم سے تھا اور اس زمانے میں بنومخزوم اور بنوہاشم کے درمیان مخاصمت ومنافست اپنے شباب پر تھی۔ اس بنا پر کسی شخص کے ذہن میں یہ بات نہیں آ سکتی تھی کہ اسلام قبول کرنے والے نئے افراد کی تربیت کے لیے بنومخزوم کے کسی فرد کے گھر کا

انتخاب ہوسکتا ہے۔

چہارم: حضرت ارقمؓ کا یہ گھر صفا کی پہاڑی کے پاس تھا، جوحرم میں قریشی مجالس سے کافی فاصلے پر اور الگ تھلگ تھا۔ مزید برآں اس کا محل وقوع صفا کا زیریں حصہ تھا، اس لیے اس گھر میں داخل ہونے اور یہاں سے نکلنے والوں پر نظر رکھنا آسان نہ تھا۔ اس کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ اس کی بناوٹ ایسی تھی کہ باہر سے کسی شخص کے لیے یہ جاننا ممکن نہ تھا کہ اندر کیا ہورہا ہے؟ ۷

پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی نے دارِارقم کے انتخاب کی وجہ بتاتے ہوئے لکھا ہے:

''اس کے انتخاب کی وجہ یہ تھی کہ وہ ایک سربرآوردہ متمول صحابی حضرت ارقم بن ابی ارقمؓ مخزومی کا مکان تھا اور اسی نسبت سے دارِارقم کہلاتا تھا اور صفا ومروہ کی تلیٹی میں مکانات اور آبادی سے الگ تھلگ واقع تھا۔ وہ بلاخلل تعلیم و تربیت، کردار سازی، اور اسلام پروری کے لیے انتہائی مناسب مقام تھا کہ بالارادہ ہی وہاں پہنچا جا سکتا تھا'' ۸

دارِارقم کو خفیہ رکھنے کی کوششیں

ان وجوہ سے دارِارقم ہمیشہ مشرکینِ قریش سے پوشیدہ رہا اور ان کو اس کی خبر نہ لگ سکی کہ اہلِ ایمان اس میں اللہ کے رسول ﷺ سے آکر ملتے اور آپ سے دین سیکھتے ہیں۔ چنانچہ روایات میں مذکور نہیں کہ کبھی انھوں نے اس کو نشانہ بنایا ہو۔

صحابۂ کرام پوری کوشش کرتے تھے کہ مشرکین کو دارِارقم میں رسول اللہ ﷺ اور اہلِ ایمان کے اکٹھا ہونے کی خبر نہ لگنے پائے۔ اس کے لیے وہ دارِارقم جاتے وقت اور وہاں سے نکلتے وقت خصوصی طور پر احتیاطی تدابیر اختیار کرتے تھے۔ کتبِ سیرت میں دو واقعات مذکور ہیں جن سے مسلمانوں کی غایتِ احتیاط کا پتہ چلتا ہے:

(۱) حضرت ابوذرؓ کا تعلق قبیلۂ غفار سے تھا۔ انھیں خبر ملی کہ مکہ میں ایک شخص ایک نئے دین کی طرف دعوت دے رہا ہے تو تحقیق حال کے لیے اپنے بھائی کو بھیجا۔ انھوں نے واپس جاکر جو کچھ بتایا اس سے انھیں اطمینان نہیں ہوا تو خود حاضر ہوئے۔ ان کی ملاقات اتفاقاً

حضرت علیؓ سے ہوگئی۔ ان سے حضرت ابوذرؓ نے مقصدِ سفر بیان کیا تو انھوں نے اللہ کے رسول ﷺ سے ان کی ملاقات کروانے کا وعدہ کیا۔ انھوں نے حضرت ابوذرؓ سے فرمایا: ”میں آگے آگے چلوں گا، آپ میرے پیچھے کچھ فاصلے پر رہیے گا۔ اگر میں کوئی خطرہ محسوس کروں گا تو دیوار سے لگ کر جوتا ٹھیک کرنے لگوں گا، یا اس طرح بیٹھ جاؤں گا گویا پیشاب کر رہا ہوں۔ آپ آگے بڑھ جایئے گا۔“[۹] روایت میں دارِ ارقم کی صراحت نہیں ہے، لیکن گمان غالب ہے کہ اس زمانے میں اللہ کے رسول ﷺ دارِ ارقم میں تھے اور حضرت علیؓ وہیں حضرت ابوذرؓ کو آپؐ سے ملاقات کروانے لے جا رہے تھے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ دارِ ارقم جاتے وقت خاص طور پر اس بات کا دھیان رکھتے تھے کہ دشمنوں میں سے کوئی انھیں دیکھ تو نہیں رہا ہے۔ اگر انھیں ذرا بھی شک ہوتا تو اپنا رخ تبدیل کر لیتے تھے۔

(۲) ایک مرتبہ سردارانِ مکہ نے حضرت ابوبکرؓ کو بہت زیادہ زدوکوب کیا، جس سے وہ بے ہوش ہوگئے۔ ان کے قبیلہ والوں نے انھیں اٹھا کر گھر پہنچایا۔ ہوش آتے ہی انھوں نے دریافت کیا کہ اللہ کے رسول ﷺ اس وقت کہاں ہیں؟ گھر والوں نے لاعلمی ظاہر کی تو انھوں نے اپنی ماں کو، جو اس وقت تک ایمان نہیں لائی تھیں، حضرت ام جمیل فاطمہ بنت خطابؓ کے پاس بھیجا۔ حضرت فاطمہؓ نے تجاہل سے کام لیا، البتہ کہا کہ وہ ابوبکرؓ کے پاس چل سکتی ہیں۔ وہاں پہنچ کر انھیں چپکے سے بتایا کہ اللہ کے رسول ﷺ اس وقت دارِ ارقم میں ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ انھیں اس وقت تک قرار نہ آئے گا جب تک آپؐ کو اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیں۔ اس موقع پر راوی کہتا ہے:

فامهلتا (ای أم جمیل و أم الخیر) حتی اذا هدأت الرجل وسكن الناس خرجتا به، يتكئ عليهما حتى أدخلتاه على رسول الله صلى الله عليه وسلم [۱۰]

وہ دونوں (یعنی ام جمیل اور حضرت ابوبکرؓ کی والدہ ام الخیر) رکی رہیں، یہاں تک کہ جب لوگوں کی آمد و رفت تھم گئی اور سناٹا ہوگیا تب وہ دونوں انھیں سہارا دے کر نکلیں، اس حال میں کہ وہ ان دونوں پر ٹیک لے کر چل رہے تھے۔ یہاں تک کہ انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچایا۔

اس سے واضح ہے کہ ان خواتین نے حضرت ابوبکرؓ کو اس وقت لے جانا مناسب سمجھا جب لوگوں کی ان پر نظر نہ پڑے اور وہ یہ نہ جان سکیں کہ انھیں کہاں لے جایا جا رہا ہے۔

دارِ ارقم کو مرکز بنانے سے قبل اسلام قبول کرنے والے صحابہ

سیر الصحابۃ کے مؤلفین نے عہدِ مکی میں اسلام قبول کرنے والے اصحابِ رسول کا تذکرہ کیا ہے تو ساتھ ہی یہ بھی صراحت کی ہے کہ ان میں سے کن اصحاب کو رسول اللہ ﷺ کے دارِ ارقم کو مرکزِ دعوت بنانے سے قبل اسلام قبول کرنے کی سعادت حاصل ہوئی تھی۔ علامہ ابن حجرؒ نے چھ صحابہ وصحابیات کے ضمن میں اس کی صراحت کی ہے۔ ان کے نام یہ ہیں:

(۱) معمر بن الحارثؓ (۲) عبدالرحمٰن بن عوفؓ (۳) مسعود بن ربیعہؓ (۴) سعید بن زیدؓ (۵) اسماء بنت عمیسؓ (۶) رملہ بنت ابی عوفؓ۔[۱۱]

علامہ ابن عبدالبرؒ نے دس صحابہ کے تذکرہ میں اس کی صراحت کی ہے۔[۱۲] ان میں سے اولین تین نام تو ابن حجرؒ کے مثل ہیں، بقیہ درج ذیل ہیں:

(۴) حاطب بن عمرؓ (۵) عامر بن فہیرہؓ (۶) عبداللہ بن جحشؓ (۷) عبیدۃ بن الحارثؓ (۸) عیاش بن ابی ربیعہؓ (۹) واقد بن الحارثؓ (۱۰) ابوحذیفہ بن عتبہؓ۔[۱۲]

علامہ ابن الاثیرؒ نے تیرہ صحابہ کے ضمن میں اس کی صراحت کی ہے۔ ان میں سے اولین دس نام ابن عبدالبرؒ کے مطابق ہیں، (صرف واقد بن الحارث کے بجائے واقد بن عبداللہ مذکور ہے) بقیہ تین نام یہ ہیں:

(۱۱) ابوسلمہ بن عبدالاسدؓ (۱۲) عثمان بن مظعونؓ (۱۳) عبداللہ بن الارقم المخزومیؓ۔[۱۳]

سب سے طویل فہرست ابن سعدؒ کی کتاب الطبقات الکبریٰ کی روشنی میں تیار ہوئی ہے۔ انھوں نے چھبیس صحابہ وصحابیات (تیئس صحابہ اور تین صحابیات) کے تذکروں میں صراحت کی ہے کہ وہ حضورؐ کے دارِ ارقم کو مرکزِ دعوت بنانے سے قبل اسلام لائے۔ بارہ نام ابن الاثیرؒ کے مطابق ہیں (تیرہواں نام طبقات ابن سعد میں مذکور نہیں)، بقیہ صحابہ کے نام درج ذیل ہیں:

(۱۳) سعید بن زیدؓ (۱۴) اسماء بنت عمیسؓ (۱۵) رملہ بنت ابی عوفؓ (۱۶) ابواحمد بن جحشؓ (۱۷) عبداللہ بن مسعودؓ (۱۸) خباب بن ارتؓ (۱۹) عامر بن ربیعہؓ (۲۰) خنیس بن خذافہؓ (۲۱) ابوعبیدۃ بن الجراحؓ (۲۲) عبداللہ بن مظعونؓ (۲۳) قدامہ بن مظعونؓ (۲۴) جعفر بن ابی طالبؓ (۲۵) فاطمہ بنت خطابؓ (۲۶) عبیداللہ بن جحشؓ (یہ صاحب بعد میں حبشہ میں جاکر مرتد ہوگئے تھے) [14] (ان میں سے تین نام - نمبر شمار ۱۳، ۱۴، ۱۵ - ابن حجرؒ کی فہرست میں آچکے ہیں)

اس فہرست کو بھی مکمل نہیں کہا جاسکتا۔ اس لیے کہ اس میں بالکل ابتدا میں اسلام قبول کرنے والوں میں حضرت خدیجہ بنت خویلدؓ، حضرت زید بن حارثہؓ، حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت علی بن ابی طالبؓ، پھر حضرت ابوبکرؓ کی کوششوں سے اسلام لانے والوں: حضرت عثمان بن عفانؓ، حضرت زبیر بن العوامؓ، حضرت طلحہ بن عبیداللہؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت ارقم بن ابی ارقمؓ وغیرہ کے نام شامل نہیں ہیں۔

ابن اسحاقؒ نے ابتدائی دور میں اسلام قبول کرنے والوں کا تذکرہ کرتے ہوئے، پچاس (۵۰) صحابہ وصحابیات کے نام گنائے ہیں۔ [15] لیکن ان میں وہ لوگ بھی ہیں جو دارِارقم کے مرکزِ دعوت بننے سے پہلے اسلام لائے تھے اور وہ لوگ بھی جنھیں اس کے بعد قبولِ اسلام کی سعادت حاصل ہوئی تھی۔

دارِارقم میں آکر اسلام قبول کرنے والے صحابہ

تذکرہ نگاروں نے کچھ صحابہ کے احوال بیان کرتے ہوئے صراحت کی ہے کہ انھوں نے اس زمانے میں اسلام قبول کیا تھا جب رسول اللہ ﷺ دارِارقم میں مقیم تھے۔ ایسے چند صحابہ کا تذکرہ ذیل میں کیا جاتا ہے:

☆ ابوبکیر بن عبد یالیل کے چار بیٹوں: عاقلؓ، عامرؓ، خالدؓ اور ایاسؓ نے ایک ساتھ اسلام قبول کیا۔ ابن سعدؒ نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے دارارقم میں مقیم ہونے کے بعد ان حضرات نے سب سے پہلے آپؐ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ [16]

☆ طلیب بن عمیرؓ رسول اللہ ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔ انھیں بھی اسی دور میں اسلام قبول کرنے کی سعادت حاصل ہوئی، پھران کی کوشش سے ان کی ماں اور آں حضرت ﷺ کی پھوپھی حضرت اروٰی بنت عبدالمطلبؓ بھی مشرف بہ اسلام ہوئیں۔[۱۷]

☆ حضرت مصعب بن عمیرؓ کو معلوم ہوا کہ اللہ کے رسول ﷺ اسلام کی دعوت دے رہے ہیں اور دارِارقم میں مقیم ہیں۔ انھوں نے وہاں آکر اسلام قبول کیا۔ وہ اپنی ماں اورخاندان کے لوگوں کے خوف سے اپنا اسلام چھپائے رہے۔ وہ چھپ چھپا کر دارارقم آتے رہتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک مشرک نے انھیں دیکھ لیا اوران کے گھر والوں کو خبر کردی۔ اس کے بعد ان کی ابتلا وآزمائش کا دور شروع ہوگیا۔[۱۸]

☆ حضرت عمار بن یاسرؓ اورحضرت صہیب بن سنانؓ دونوں نے ایک ساتھ اسلام قبول کیا۔ عمارؓ کی ملاقات صہیبؓ سے دارارقم کے دروازے پر ہوئی۔ پوچھا: یہاں کیوں آئے ہو؟ انھوں نے پلٹ کر یہی سوال ان سے کردیا: تم کیوں آئے ہو؟ حضرت عمارؓ نے جواب دیا: میں حضرت محمد ﷺ کے پاس جاکر ان کی باتیں سننا چاہتا ہوں۔ صہیبؓ نے کہا: میں بھی اسی ارادے سے آیا ہوں۔ دونوں ایک ساتھ گھر کے اندر گئے، آں حضرت ﷺ کی باتیں سنیں اوراسلام لے آئے۔ ابن سعدؒ نے لکھا ہے کہ ان سے قبل تیس سے کچھ زائد افراد اسلام قبول کرچکے تھے۔[۱۹]

بہ ہر حال مورخین اورسیرت نگاروں نے اجمالی طور پر ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے دارارقم میں قیام کے زمانے میں بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کیا تھا:

وفیھا دعاالناس الی الاسلام، فأسلم فیھا قوم کثیر [۲۰]	دارِارقم میں قیام کے زمانے میں آپؐ نے لوگوں کو اسلام کی دعوت دی تو ان میں سے بڑی تعداد نے اسلام قبول کیا۔
أسلم فیھا جماعة کثیرة [۲۱]	دارارقم میں بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کیا۔

دارارقم کتنے عرصے تک مرکزِ دعوت بنا رہا؟

دارِارقم کے بارے ایک چیز یہ بھی تحقیق طلب ہے کہ اسے کب مرکزِ دعوت بنایا گیا

اور کتنا عرصہ اسے ایک خفیہ مرکز کی حیثیت سے استعمال کیا گیا؟

جمہور اصحابِ سیر نے بعثتِ نبوی کے بعد اولین مرحلۂ دعوت (خفیہ دعوت وتبلیغ) کو تین سال پر محیط قرار دیا ہے۔[۲۲] اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حکمِ الٰہی فَاصدَع بِمَا تُؤمَر (الحجر:۹۴) کے بہ موجب علانیہ دعوت وتبلیغ کا آغاز کیا۔ان کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ ایک موقع پر مکہ کی کسی گھاٹی میں سردارانِ قریش سے اہل ایمان کی جھڑپ کے بعد ہی آں حضرت ﷺ نے دارارقم کا انتخاب فرمایا تھا۔لیکن یہ واقعہ کب پیش آیا تھا؟اس کی تعیین میں ان کے درمیان اختلاف ہے۔مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوری کے نزدیک اہلِ ایمان اور مشرکین کے مابین تصادم کا یہ واقعہ ۴ نبوی کا ہے۔اس کے بعد پانچویں سنہ نبوت سے آپؐ نے حضرت ارقمؓ کے مکان کو اپنی دعوت اور مسلمانوں کے ساتھ اجتماع کا مرکز بنایا تھا۔[۲۳] یہی بات عرب مصنف ڈاکٹر مہدی رزق اللہ نے بھی لکھی ہے۔[۲۴] اس کے مقابلے میں ان سیرت نگاروں کی رائے زیادہ باوزن معلوم ہوتی ہے جو اس واقعہ کو خفیہ مرحلۂ دعوت ہی کے دور کا قرار دیتے ہیں۔مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے لکھا ہے:

''ڈھائی سال سے کچھ زیادہ مدت ہی گزری تھی کہ ایک ایسا واقعہ پیش آ گیا،جس سے اندیشہ ہوا کہ کہیں کفار مکہ سے قبل از وقت تصادم شروع نہ ہو جائے''

پھر ابن اسحاقؒ کے حوالہ سے وہ واقعہ بیان کرنے کے بعد،جس میں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے ہڈی کھینچ کر مارنے سے ایک مشرک کا سر پھٹ گیا تھا،لکھا ہے:

''اس کے بعد حضورؐ نے بلا تاخیر حضرت ارقم بن ابی ارقمؓ کے مکان کو،جو صفا کے قریب واقع تھا،مسلمانوں کے اجتماع اور دعوت وتبلیغ کا مرکز بنا دیا،تاکہ مسلمان یہیں جمع ہو کر نماز بھی پڑھیں اور جو جو لوگ خفیہ طریقہ سے مسلمان ہوتے جائیں وہ یہاں آتے رہیں۔''[۲۵]

پروفیسر یٰسین مظہر صدیقی نے بھی ایک جگہ یہی رائے ظاہر کی ہے۔انھوں نے لکھا ہے:

''رسول اکرمؐ نے ایک محفوظ جگہ پر ایک اسلامی مرکز قائم کرنے کو سوچا......وہ دارِارقم کے نام سے تاریخ اسلامی میں مشہور ہے۔خفیہ تبلیغ کے تقریباً ڈھائی سال گزرنے کے

بعد ۳ھ ۴نبوی/ ۶۱۳ء کے وسط میں یہ مرکز قائم ہوا۔ رسول اکرم ﷺ اسی مرکز میں طویل قیام فرماتے اور مسلمانوں کو تعلیم و تربیت کا کام کرتے۔''۲۶

لیکن دوسری جگہ انھوں نے اس سے اختلاف کرتے ہوئے مکی دور کی ابتدا ہی میں دارِارقم کے مرکزِ دعوت بننے کی بات لکھی ہے:

''بعض سیرت نگاروں کا خیال ہے کہ خفیہ تبلیغ کے آخری زمانے میں جب مسلمانوں کی تعداد خاصی ہوگئی تھی، اس مرکزِ اسلامی کا انتخاب ہوا۔ غالباً بعثتِ نبوی کے دو ڈھائی سال کے بعد، ۶۱۲ء میں۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ دارِارقم کا مرکز خفیہ تبلیغ کے زمانے کی ابتدا ہی میں بن گیا تھا، کیوں کہ متعدد سابقین اوّلین نے دارِارقم ہی میں اسلام قبول کیا تھا۔''۲۷

اسی طرح تمام سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ حضرت عمر بن الخطابؓ کے اسلام قبول کرنے تک مسلمان حرمِ مکی میں کھلے عام نماز نہیں پڑھ سکتے تھے۔ اپنے قبولِ اسلام کے بعد وہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کو بہ اصرار حرم میں لے گئے اور وہاں علانیہ نماز ادا کی اور جن لوگوں نے انھیں روکنے کی کوشش کی ان سے مار پیٹ بھی کی۔

علامہ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کو قبولِ اسلام کی سعادت ہجرتِ حبشہ کے بعد ۶ نبوی میں حاصل ہوئی تھی۔ ۲۸

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دارِارقم بعثتِ نبوی کے بعد چھ سال تک مرکزِ دعوت بنا رہا۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے اس مدت کو اور بھی وسیع کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

''اسلام کی تاریخ میں دارِارقم کو لازوال شہرت حاصل ہوئی۔ تین سال کی خفیہ دعوت کا دور ختم ہونے اور علانیہ دعوتِ عام شروع ہوجانے کے بعد بھی یہ مسلمانوں کا مرکز رہا۔ اسی میں حضور تشریف فرما رہتے تھے، یہاں آکر مسلمان آپ کے پاس جمع ہوتے تھے اور شعب ابی طالب کی محصوری تک اس کو دعوتِ اسلام میں مرکزی حیثیت حاصل رہی''۲۹

جناب طالب ہاشمی نے لکھا ہے:

''دارارقم کو حضرت عمر فاروقؓ کے قبولِ اسلام (۶ نبوت) تک یا شعبِ ابی طالب کی محصوری کے آغاز (۷ نبوت) تک مرکزِ اسلام کی حیثیت حاصل رہی، اس کے بارے میں

اختلاف ہے‘‘۔[۳۰]

حضرت عمرؓ کے قبولِ اسلام تک مسلمانوں کی تعداد

حضرت عمر بن الخطابؓ کے قبولِ اسلام کی جو تفصیلات کتبِ سیرت میں مذکور ہیں، ان میں ایک بات یہ بھی لکھی ہوئی ہے کہ اسلام قبول کرنے والوں میں ان کا نمبر چالیسواں تھا۔[۳۱] بہ الفاظ دیگر ان سے قبل صرف انتالیس افراد کو قبول اسلام کی سعادت حاصل ہوئی تھی۔ بعض سوانح نگاروں نے ان افراد کے ناموں کی فہرست بھی درج کی ہے۔[۳۲] لیکن یہ بیان کہ ۶ نبوی تک صرف چالیس افراد نے اسلام قبول کیا تھا، صحیح نہیں معلوم ہوتا۔

ابن اسحاقؒ نے ابتدائی دور میں اسلام قبول کرنے والوں میں پچاس افراد کے نام تحریر کیے ہیں۔ پھر لکھا ہے:

ثم دخل الناس فی الاسلام ارسالا من الرجال والنساء حتی فشا أمر الاسلام بمکة وتحدّث به.[۳۳]	پھر لوگ، مرد اور خواتین، اسلام میں جماعت در جماعت داخل ہونے لگے، یہاں تک کہ مکہ میں اسلام کا ذکر پھیل گیا اور اس کے بارے میں ہر جگہ گفتگو ہونے لگی۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے ایک ذیلی عنوان 'تین سال کی خفیہ دعوت میں کتنا کام ہوا؟' قائم کرنے کے بعد اس کے تحت لکھا ہے:

’’اب قبل اس کے کہ ہم علانیہ دعوت کے دور پر کلام شروع کریں، ہمیں یہ دیکھ لینا چاہیے کہ خفیہ دعوت کے اس تین سالہ دور میں کتنا کام ہوا تھا؟ قریش کے کن کن قبیلوں کے کون کون اور کتنے لوگ مسلمان ہو چکے تھے؟ اور قریش سے باہر کے لوگوں اور موالی اور غلاموں اور لونڈیوں میں سے کس کس نے اسلام قبول کر لیا تھا؟ ذیل میں ہم ان کی وہ فہرست دیتے ہیں جو بڑی تلاش و تجسس کے بعد ہم نے جمع کی ہے، کیوں کہ ان کی پوری فہرست کسی جگہ بھی یک جا نہیں ملتی‘‘۔[۳۴]

اس کے بعد مولانا نے بہ اعتبار قبیلہ ۱۲۹؍افراد کے نام درج کرنے کے بعد لکھا ہے:

''اس طرح ابتدائی چار مسلمانوں کے ساتھ ان ۱۲۹ ر کے ملنے سے ان لوگوں کی کل تعداد ۱۳۳ ربن جاتی ہے، جو حضور کی دعوتِ عام شروع ہونے سے پہلے آپؐ پر ایمان لاکر جماعتِ مسلمین میں شامل ہو چکے تھے''۔[۳۵]

ظاہر ہے کہ دارِارقم کے مرکزِ دعوت بنے رہنے تک اس تعداد میں خاصا اضافہ ہوگیا تھا۔

دارِارقم-بعد کے زمانوں میں

حضرت ارقمؓ نے اپنے اس مکان کو وقف علی الاولاد کر دیا تھا۔ (ابن سعدؒ اور حاکمؒ نے وقف نامہ کی عبارت درج کی ہے[۳۶]) یہ ان کے خاندان والوں کی نگرانی اور استعمال میں رہا۔ یہاں تک کہ ۱۴۰ھ میں دوسرے عباسی خلیفہ ابوجعفر منصور نے حضرت ارقمؓ کے پوتے عبداللہ بن عثمان اور دیگر ورثاء پر دباؤ ڈال کر اسے خرید لیا اور اسے اپنے بیٹے مہدی کو دے دیا۔ مہدی نے اسے اپنی بیوی خیزران کو تحفہ میں دے دیا۔ اس نے اس مکان کو اپنی مرضی کے مطابق از سر نو تعمیر کرایا، چنانچہ اس سے منسوب ہوکر بعد میں یہ مکان دارالخیز ران کے نام سے مشہور رہوا۔ اس میں ایک مسجد بھی تعمیر ہوئی تھی۔[۳۷] بعد میں یہ سب علاقہ حرم میں شامل کر دیا گیا۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ کی بعض تحریروں سے بعد کے دور میں اس مکان کی تاریخ پر روشنی پڑتی ہے۔ انھوں نے اپنے ایک مقالہ بہ عنوان 'تبلیغ رسالت' (زمانۂ تالیف ۱۹۵۰ء)، جو ان کی کتاب 'رسولِ اکرم کی سیاسی زندگی' میں شامل ہے، میں لکھا تھا:

''حضرت ارقمؓ کا مکان آج بھی موجود ہے اور ترکی دور کے تحفظ کے بعد سعودی دور میں اس کی تزیین بھی ہوئی ہے اور اس تک جانے کی گلی کو بعض دوسرے مکان توڑ کر چوڑا کیا گیا ہے''۔[۳۸]

پھر کتاب کے کسی مابعد ایڈیشن میں اس عبارت پر یہ حاشیہ لگایا ہے:

''اس تحریر کے بعد جب مسجدِ کعبہ کی ابن سعود، سعود اور فیصل کے زمانے میں توسیع ہوئی تو یہ مکان بھی غائب ہوگیا، حتّٰی کہ مصلّی حنفی بھی، جو قدیم دار الندوہ کی جگہ تھا، ڈھا دیا

گیا۔کاش ان مقاموں پر رنگین پتھروں وغیرہ کے ذریعے سے کوئی اشارہ اور کوئی علامت ہوتی۔" ۳۹

دوسری جگہ انھوں نے لکھا ہے:

"۱۹۳۲ء میں یہ گھر ابھی تک موجود تھا۔دروازے پر ایک کتبے نے ۱۹۴۶ء میں یہ نشان دہی کی کہ دارارقم کو 'دار خیزران' کہا جاتا تھا۔اور یہ کہ اسے سلطنتِ عثمانیہ کے ایک مفتی فضل اللہ بن محمد حبیب نے خریدا تھا۔سعودی حکومت نے اسے پہلے بحال کیا تھا اور وہاں ایک مذہبی اسکول قائم کیا تھا،لیکن بعدازاں اسے مسجد کو وسیع کرنے کی خاطر گرا دیا گیا،کیوں کہ حاجیوں کی تعداد میں وقت کے ساتھ ساتھ اضافہ ہورہا تھا۔" ۴۰

دروس و نصائح

جدید سیرت نگاروں نے دارِارقم کے واقعہ سے متعدد دروس و نصائح کا استنباط کیا ہے۔دعوتی زندگی میں یہ دروس بڑی اہمیت رکھتے ہیں:

۱۔ اس کا پہلا درس یہ ہے کہ دعوت کے فروغ و استحکام کے لیے ایک مرکز کا قیام ضروری ہے، جہاں بیٹھ کر دعوت کی تنظیم اور منصوبہ بندی کی جا سکے،کارِ دعوت انجام دینے والے باہم مشاورت کرسکیں، وابستگان کی تعلیم و تربیت کا نظم ہو،ان کے مسائل و مشکلات سے واقفیت حاصل کرکے ان کے ازالہ کی تدابیر اختیار کی جاسکیں ۔ڈاکٹر یٰسین مظہر صدیقی نے دارِارقم کے بارے میں لکھا ہے:

"قبولِ اسلام کا مرکز ہونے کے علاوہ وہ تعلیم گاہ،خانقاہ،تربیت گاہ،مشاورت گاہ، مسجد و مدرسہ، منزلِ نبوی اور بہت کچھ تھا۔وہ مکی دور کا مستقل اور عظیم اسلامی مرکز بن گیا تھا"۔۴۱

۲۔ وابستگانِ دعوت و تحریک کے لیے ضروری ہے کہ وقتاً فوقتاً اجتماعات منعقد کرتے رہیں،تاکہ ان کے ایمان میں تازگی آتی رہے اور ان کی دینی معلومات میں اضافہ ہوتا رہے۔ڈاکٹر مصطفیٰ سباعیؒ نے لکھا ہے:

''داعی کو چاہیے کہ وہ ہرروز یا ہرہفتہ، وقفوں وقفوں سے ،اپنے رفقاء کے اجتماعات منعقد کرتا رہے اورانھیں دعوت کے طریق کاراوراس کے اسالیب وآداب کی تعلیم دیتا رہے، تاکہ انھیں ایمان ویقین میں زیادتی حاصل ہو۔ اگرعلانیہ اجتماعات عام میں داعی کواپنی جان اوراپنے رفقاء کی ہلاکت کا خطرہ محسوس ہوتواس کے لیے واجب ہے کہ وہ خفیہ طورپر خصوصی اجتماعات منعقد کرے، تاکہ اہل باطل ان کے خلاف سازش یا منصوبہ تیارکر کے انھیں جوروستم کا ہدف نہ بنا سکیں اوران کی ہلاکت کا اقدام نہ کرسکیں''۔[۴۲]

۳۔ دعوت کے کسی مرحلے میں راز داری برتنا اوراحتیاط ملحوظ رکھنا انبیائی مشن کے مزاج کے منافی نہیں ہے، بلکہ یہ حکمت کا عین تقاضا ہے۔

شامی محقق ڈاکٹر محمد سعید رمضان البوطی (م ۲۰۱۳ء) فرماتے ہیں:

''اس میں شک نہیں کہ ان ابتدائی سالوں میں اسلام کی دعوت وتبلیغ میں نبی کریم ﷺ کی رازداری کا سبب اپنی جان کا خوف نہیں تھا۔ اس لیے کہ آپ ؐ کو یقین تھا کہ جس اللہ نے آپ کومبعوث کیا ہےاوراس دعوت کی ذمہ داری دی ہے وہی آپ کی حفاظت فرمائے گا اور لوگوں کے شر سے بچائے گا۔لیکن اللہ عزوجل نے آپ کوالہام کیا -اوررسول کا الہام وحی کے قبیل سے ہوتا ہے- کہ ابتدائی مرحلے میں دعوت کا آغاز راز داری اورخفیہ طریقے سے کریں اوراسے صرف انہی لوگوں کے سامنے پیش کریں جن کے بارے میں گمان غالب ہوکہ وہ اس پر کان دھریں گے اورایمان لائیں گے۔ اپنے اس عمل کے ذریعے آپ نے کارِ دعوت انجام دینے والوں کوایک اہم تعلیم دی۔ آپ نے انھیں احتیاط ملحوظ رکھنے اورظاہری اسباب اختیار کرنے کی تلقین کی اور واضح کیا کہ دعوت کے اہداف تک رسائی حاصل کرنے کے لیے مطلوبہ وسائل اختیار کرنا عقل سلیم کا تقاضا ہے۔اس سے اشارہ ملتا ہے کہ دعوتِ اسلامی کے علَم برداروں کو ہرزمانے میں دعوت کے انداز میں لچک رکھنی چاہیے۔ جس زمانے سے ان کا تعلق ہواس کے مطابق دعوت پیش کرنے میں، جہاں جیسی ضرورت ہو،رازداری، اعلان، نرمی یا سختی کوملحوظ رکھنا چاہیے''۔[۴۳]

۴۔اگرجان کا خطرہ ہو یا ایمان کے نتیجے میں تشدد کا شکار ہونے کا اندیشہ ہوتو کوئی

ایسی جائے پناہ تلاش کرنے میں کوئی حرج نہیں، جہاں رہ کر جان بچائی جا سکے اور ایمان کی حفاظت کی جا سکے۔ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی فرماتے ہیں:

''اگر داعی کو محسوس ہو کہ کفار کی فتنہ پردازی کے باعث اس کی جماعت کے لوگوں کی زندگیاں اور اعتقادات خطرے کا شکار ہیں تو اسے چاہیے کہ وہ ان کے لیے ایسا مامن تلاش کرے جہاں وہ اہل باطل کی سرکشی اور ظلم وزیادتی سے امان حاصل کرسکیں اور یہ چیز داعیان کے جذبۂ قربانی کے منافی نہیں ہے۔ اگر داعیان کی افرادی قوت کم ہو تو اہلِ باطل ان کو موت کے گھاٹ اتار کر ان کی تحریک کو کچل سکتے ہیں۔ اس لیے داعیان کو چاہیے کہ وہ ایسے ناسازگار حالات میں اپنی دعوت اور وجود کو بچا کر کسی دارالامان کی طرف نکل جائیں، تاکہ ان کی دعوت کو استمرار اور نشرواشاعت کو ضمانت حاصل ہو جائے''۔ [۴۴]

ایک مختلف نقطۂ نظر

جدید سیرت نگاروں میں جناب خالد مسعود مؤلف 'حیات رسولِ امّی' نے دارِ ارقم کے بارے میں ایک ایسا نقطۂ نظر پیش کیا ہے، جو قدیم و جدید تمام سیرت نگاروں سے مختلف ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی دعوت کبھی خفیہ نہیں رہی۔ یہ بات آپ کے تبلیغی مشن سے میل نہیں کھاتی۔ مکی عہد کو خفیہ اور علانیہ دعوت کے مراحل میں تقسیم کرنا سراسر غلط ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''یہ بات حیرت انگیز ہے کہ رسول اللہ ﷺ جسے عظیم المرتبت خاتم الانبیاء کے بارے میں آپ کے سیرت نگاروں نے یہ تأثر کیسے پھیلا دیا اور امّت نے اس کو قبول کیسے کرلیا کہ بعثت کے بعد تین سالوں تک آپ نے خفیہ تبلیغ کی۔ یہ بات رسولوں کی سنت سے مطابقت نہیں رکھتی اور حقائق کے بھی منافی ہے۔ اگر آپ نے قریش کی مخالفت کے خوف سے ایسا کیا تو کیا اللہ تعالیٰ کی وہ حفاظت آپ کو حاصل نہ تھی جو تمام رسولوں کو حاصل رہی ہے؟ پھر یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ تین سالوں کے بعد جب آپ نے علانیہ تبلیغ شروع کی، کیا اس وقت قریش کی عداوت ختم ہو چکی تھی؟ یا کیا اس عرصہ کے درمیان میں آپ نے چوری چھپے اتنی نفری مہیا کی

تھی کہ آپ قریش کے مدِّ مقابل بن کر آ سکتے ؟ تاریخ گواہ ہے کہ ان میں سے کوئی بات بھی صحیح نہیں ہے۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ آں حضرت ﷺ نے اس عرصہ میں دعوت کو لوگوں کے علم میں لانے میں رکاوٹ پیدا کی تو یہ اللہ تعالیٰ کی ڈالی ہوئی ذمہ داری کے ادا کرنے میں کوتاہی تھی، جو حضورؐ کی عظمت و شان کے منافی ہے۔ خفیہ تبلیغ کی کوئی اور حکمت سیرت نگار بیان نہیں کرتے۔ ہمارے نزدیک آپؐ کی جد و جہد کا کوئی دور خفیہ نہیں رہا''۔ ۵؎

اس کے بعد ابتدائی عہد میں ایمان لانے والوں میں سے ۳۵ رصحابہ و صحابیات کے نام درج کرنے کے بعد لکھا ہے:

''سیرت کی قدیم ترین کتابوں کے مطابق نبوت کے پانچویں سال تک مسلمانوں کی تعداد سوا سو سے زیادہ ہو چکی تھی۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ بالکل ابتدا ہی میں قریش کے تمام خاندانوں کے اچھے افراد کو متأثر کر کے ان کے دلوں کو جیت لینے والی دعوت کیا خفیہ تھی؟ اور اتنے لوگوں کا اسلام کیا مخفی رہ سکتا تھا کہ قریش کی لیڈر شپ کو تین سالوں تک کانوں کان خبر نہ ہوئی کہ وہ اس آنے والے سیلاب کے آگے بند باندھنے کی کوئی تدبیر کر سکتے؟''۶؎

پھر اگر بعثت کے ابتدائی زمانے میں خفیہ دعوت کا معاملہ نہیں تھا تو رسول اللہ ﷺ اور ایمان لانے والے صحابۂ کرام دارِ ارقم میں کیوں جمع ہوتے تھے؟ اس کا جواب خالد مسعود صاحب یہ دیتے ہیں:

''دارِ ارقم کے انتخاب کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ یہ بیت اللہ سے کوہِ صفا کی طرف یعنی جانبِ جنوب میں تھا۔ اس گھر میں نماز پڑھتے ہوئے خانۂ کعبہ (ابراہیمی قبلہ) اور بیت المقدس (اہل کتاب کا قبلہ) دونوں کو بیک وقت قبلہ بنانا ممکن تھا۔ چوں کہ قبلہ کے بارے میں ابھی تک کوئی واضح حکم نازل نہیں ہوا تھا۔ نبیؐ نے اہلِ کتاب کے معروف قبلہ کو اپنے اجتہاد سے اختیار کر لیا۔ آپ کو ابراہیمی قبلہ سے علیٰحدگی بھی ناگوار تھی ، اس لیے آپ دونوں قبلوں کو جمع کرتے۔ آپؐ کا طریقہ مسجد حرام کے اندر بھی یہی تھا کہ آپ رکنِ یمانی اور حجرِ اسود کے درمیان کی دیوار کو سامنے رکھ کر نماز ادا کرتے تھے، تاکہ دونوں قبلے جمع ہو جائیں''۔ ۷؎

راقمِ سطور کا احساس ہے کہ یہ تاریخ نویسی اور سیرت نگاری نہیں، بلکہ اسے بے بنیاد

دعووں کے ذریعہ تاریخ سازی ہی کہا جاسکتا ہے۔ حدیث، سیرت، تراجمِ صحابہ اور تاریخ کی تمام کتابیں صراحت کرتی ہیں کہ بعثت کے بعد کچھ عرصہ رسول اللہ ﷺ نے انفرادی طور پر، رازداری کے ساتھ دعوت وتبلیغ کا کام کیا، پھر علانیہ دعوت شروع کی۔ یہ کسی خوف یا مخالفین کی جانب سے تشدد اور ایذا کے اندیشے سے نہ تھا، بلکہ حکمت پر مبنی ایک منصوبہ بند عمل تھا۔ سیرت میں رازداری برتنے اور غایت درجہ احتیاط ملحوظ رکھنے کے واقعات کثرت سے مروی ہیں۔ یہ واقعات ابتدائی زمانے سے لے کر آخری دور تک کا احاطہ کرتے ہیں۔ دارِ ارقم کے علاوہ بیعتِ عقبہ اولیٰ و ثانیہ، سفرِ ہجرتِ مدینہ، غزوۂ بدر، غزوۂ احزاب اور سفرِ غزوۂ تبوک وغیرہ اس کی روشن مثالیں ہیں۔ اس بدیہی حقیقت کا انکار کر کے دارِ ارقم کو مرکز بنانے کی جو وجہ موصوف نے تحریر کی ہے وہ خود ساختہ ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ دونوں قبلوں کو جمع کرنے کے لیے مسجد حرام سے باہر ایک مکان خاص کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ اس طریقے سے تو صحابۂ کرام رسول اللہ ﷺ کے مثل مسجد حرام ہی کے اندر نماز پڑھ سکتے تھے۔ مولانا شاہ محمد جعفر پھلواروی نے اس موضوع پر بہت اچھی بحث کی ہے، لکھتے ہیں:

''سارے سیرت نگاروں کا کہنا ہے کہ تبلیغِ دین تین سال تک خفیہ خفیہ ہوتی رہی، جس کا مرکز دارِارقم بن ابی ارقم تھا۔ اہل اسلام اپنی نمازیں بھی پہاڑی گھاٹیوں میں یا دوسرے پوشیدہ مقامات میں ادا کرتے تھے۔ خفیہ تبلیغ کے تعلق سے یہ سوال کیا جاسکتا ہے کہ کیا یہ انداز اہلِ کفر کے خوف یا اہلِ اسلام کی بزدلی پر مبنی تھا؟ شجاعت و مردانگی اور حق پرستی کا تو یہ تقاضا ہونا چاہیے تھا کہ اول روز ہی سے اعلانِ حق کر دیا جاتا اور کسی طاقت سے کوئی خوف نہ ہوتا، خواہ نتیجہ کچھ بھی ہوتا۔ ظاہراً تو صورتِ حال ایسی ہی نظر آتی ہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ اندازِ خفا مبنی بر خوف نہ تھا، بلکہ تقاضائے حکمت تھا۔ زندگی میں بے شمار مراحل ایسے آتے ہیں جب دو قدروں کا باہم ٹکراؤ ہو جاتا ہے اور وہ ایسا موقع ہوتا ہے کہ کسی ایک کو مقدّم اور دوسرے کو موخّر کرنا پڑتا ہے اور اس تقدیم و تاخیر میں انسانی عقل و فراست امتحان میں پڑ جاتی ہے۔ انسانی زندگی میں محض خیر و شر ہی کی کش مکش نہیں ہوتی، بلکہ بسا اوقات دو خیروں اور دو شرّوں کی کش مکش بھی اسی طرح سامنے آجاتی ہے کہ کسی ایک ہی کو اختیار کرنا پڑتا ہے۔ اس وقت خیر کا تقاضا یہ ہوتا ہے

کہ دوشرّ وں میں کم تر کو اور دو خیروں میں انفع کو اختیار کر لیا جائے۔حضور کی بصیرت نے ان دو خیروں-جرأت مندانہ اعلان اور حکیمانہ پوشیدگی-میں انفع و اصلح کو اختیار فرمایا۔اظہارِ شجاعت کا موقع ہر وقت نہیں ہوتا۔اگر اس کا بے موقع استعمال ہو تو یہ مردانگی 'تہوّر' بن جاتی ہے۔ شجاعت اور تہوّر میں وہی فرق ہے جو رحم اور بزدلی میں، سخاوت اور اسراف میں یا کفایت شعاری اور بخل میں ہے۔'' [۴۸]

سیرتِ نبوی اور تاریخِ اسلام میں دارِ ارقم کی غیر معمولی اہمیت ہے۔اسی وجہ سے اس کو 'دارالاسلام' بھی کہا جاتا تھا۔[۴۹] ضرورت ہے کہ اس کے دروس سے رہ نمائی حاصل کی جائے اور نازک حالات اور مخالف ماحول میں بھی دعوت کے فروغ اور استحکام کی راہیں تلاش کی جائیں۔

حواشی و مراجع:

[۱] ابن عبد البر، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۹۹۵ء، ۲۱۹/۱ (الارقم بن ابی الارقم مخزومی مشهور کبیر اسلم فی داره کبار الصحابة فی ابتداء الاسلام)

[۲] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، دار صادر بیروت، ب ت، ابن حجر العسقلانی، الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۹۹۵ء۔ ان کتابوں میں متعدد صحابہ کے ضمن میں، جن کے نام آگے آرہے ہیں، یہ عبارت ملتی ہے۔

[۳] ابن کثیر، السیر ۃ النبویۃ، تحقیق: مصطفیٰ عبد الواحد، دار المعرفۃ بیروت، ۱۹۸۳ء، ۴۳۷/۱، ۴۳۹، ابوجعفر محمد بن جریر الطبر ی، تاریخ الامم والملوک، دار الکتب العلمیۃ بیروت، ۱۹۹۷ء، ۵۴۱/۱

[۴] ابن اسحاق، السیر ۃ البعویۃ، تحقیق احمد فرید المز یدی، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ۲۰۰۴ء، ۱۹۰/۱، ابن ہشام، السیر ۃ النبویۃ، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۹۹۴ء، ۳۰۰/۱

[۵] سید جلال الدین عمری، مقالہ: مکی دور میں رسول اللہ ﷺ کی دعوتی حکمت عملی، سہ ماہی تحقیقات اسلامی علی گڑھ، اپریل-جون ۱۹۹۸ء، ص۲۲

۶۔ حضرت ارقمؓ کے حالاتِ زندگی کے لیے ملاحظہ کیجیے: الاصابۃ، ۱/۱۹۶۔۱۹۸، الاستیعاب، ۱/۲۱۸۔۲۱۹، ابن الاثیر الجزری، اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ب ت، ۱/۱۸۷۔۱۸۸۔اردو کتابوں کے لیے دیکھیے: حاجی معین الدین ندوی، مہاجرین، دارالمصنفین اعظم گڑھ، جلد اوّل ص۳۶۴۔۳۶۷،طالب ہاشمی، خیر البشرﷺ کے جاں نثار، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی، ۲۰۱۰ء، ص۱۰۵۔۱۱۱

۷۔ محمد علی الصلابی، السیرۃ النبویۃ: عرض وقائع وتحلیل احداث،منیر الغضبان، المنہج الحرکی للسیرۃ النبویۃ، مکتبۃ المنار، طبع ۶/ص۴۹، د۔ ابراھیم علی محمد احمد (السودان) فی السیرۃ النبویۃ قرائۃ لجوانب الحذر والحمایۃ، ۱۴۱۷ھ، مھدی رزق اللہ احمد، السیرۃ النبویۃ فی ضوء المصادر الاصلیۃ۔ دراسۃ تحلیلیۃ، مرکز فیصل للبحوث والدراسات الاسلامیۃ، الریاض، ۱۹۹۲ء، ص۱۹۵

۸۔ پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی، مکی اسوۂ نبوی۔ مسلم اقلیتوں کے مسائل کا حل، اسلامک ریسرچ اکیڈمی کراچی، ۲۰۱۰ء، ص۳۷

۹۔ صحیح بخاری: ۳۸۶۱، صحیح مسلم: ۲۴۷۴

۱۰۔ السیرۃ النبویۃ لابن کثیر، ۱/۴۳۹۔۴۴۱۔علامہ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ یہ واقعہ اس دن پیش آیا تھا جب حضرت حمزہؓ اسلام لائے تھے۔ اس وقت تک ۳۸/افراد اسلام قبول کر چکے تھے۔

۱۱۔ الاصابۃ، ملاحظہ کیجیے مذکورہ صحابہ کے تذکرے

۱۲۔ الاستیعاب، ملاحظہ کیجیے مذکورہ صحابہ کے تذکرے

۱۳۔ اسد الغابۃ، ملاحظہ کیجیے مذکورہ صحابہ کے تذکرے

۱۴۔ طبقات ابن سعد، ملاحظہ کیجیے مذکورہ صحابہ کے تذکرے

۱۵۔ سیرۃ ابن اسحاق، ۱/۱۸۶۔۱۸۷

۱۶۔ طبقات ابن سعد، ۳/۳۸۸

۱۷۔ حوالۂ سابق، ۸/۴۲

۱۸۔ حوالۂ سابق، ۳/۱۱۶

۱۹۔ حوالۂ سابق، ۳/۲۴۷

۲۰؎ طبقات ابن سعد، تذکرہ حضرت ارقمؓ۔ابو عبد اللہ الحاکم، المستدرک علی الصحیحین، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ب ت

۲۱؎ الاستیعاب، ۲۱۸/۱

۲۲؎ سیرۃ ابن ہشام، ۲۹۹/۱۔ امام حلبی نے ایک قول یہ نقل کیا ہے کہ خفیہ دعوت کی مدت چار سال تھی۔ پانچویں سال آپ نے علانیہ دعوت شروع کی۔ ملاحظہ کیجیے السیرۃ الحلبیۃ، المطبعۃ الازہریۃ مصر، ۳۱۹/۱۔ بلاذری نے بھی یہی بات لکھی ہے۔ملاحظہ کیجیے: انساب الاشراف، ۱۱۶/۱

۲۳؎ صفی الرحمٰن مبارک پوری، الرحیق المختوم (اردو)، المجلس العلمی علی گڑھ، ۱۹۸۸ء، ص ۱۴۱

۲۴؎ السیرۃ النبویۃ فی ضوء المصادر الاصلیۃ، ص ۱۹۵

۲۵؎ سید ابو الاعلیٰ مودودی، سیرت سرور عالم، مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی، ۱۹۸۶ء، طبع پنجم، ۱۵۴/۲۔۱۵۵

۲۶؎ پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی، تاریخ تہذیب اسلامی، انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹیو اسٹڈیز، نئی دہلی، ۲۰۱۲ء، ۱۱۲

۲۷؎ مکی اسوۂ نبوی، ص ۳۷

۲۸؎ السیرۃ النبویۃ لابن کثیر، ۴۴۲/۱

۲۹؎ سیرت سرور عالم، ۱۵۵/۲

۳۰؎ خیر البشر کے چالیس جاں نثار، ص ۱۰۸

۳۱؎ ابن سعد نے متعدد اقوال درج کیے ہیں۔ایک قول کے مطابق حضرت عمرؓ چالیس افراد کے بعد اسلام لائے۔ دوسرے قول میں یہ تعداد چالیس سے زائد (نیّف و اربعین) مذکور ہے۔تیسرے قول کے مطابق وہ چالیس مردوں اور دس عورتوں کے بعد اسلام لائے۔ چوتھے قول میں ۴۵/ مردوں اور ۱۱/عورتوں کا تذکرہ ہے۔

۳۲؎ یوسف بن حسن بن عبد الھادی المبرد (۹۰۹ھ)، محض الصواب فی فضائل امیر المومنین عمر بن الخطاب، تحقیق: عبد العزیز بن محمد بن عبد المحسن، عمادۃ البحث العلمی، الجامعۃ الاسلامیۃ المدینۃ المنورۃ، ۱۴۲۰ھ

۳۳؎ سیرت ابن اسحاق، ۱۸۷/۱

۳۴۔ سیرت سرور عالم،۲/۱۵۵

۳۵۔ حوالۂ سابق

۳۶۔ تاریخ تہذیب اسلامی، ۱/ ۱۰۹

۳۷۔ طبقات ابن سعد،تذکرہ حضرت ارقمؓ، المستدرک،۳/۵۷۵

۳۸۔ طبقات ابن سعد، المستدرک حوالۂ سابق، السیرۃ الحلبیۃ ۱/۳۱۹،الازرقی، اخبار مکۃ و ما جاء فیھا من الآثار، خیر البشر کے چالیس جاں نثار، ص ۱۱۰-۱۱۱

۳۹۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی ،تاج کمپنی دہلی، ۱۹۸۷ء، ص ۸۵

۴۰۔ حوالہ سابق

۴۱۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، پیغمبر اسلام ﷺ ،فرانسیسی سے ترجمہ: پروفیسر خالد پرویز، ملی پبلی کیشنز نئی دہلی، ۲۰۰۹ء، ص ۱۱۳۔۱۱۴

۴۲۔ مکی اسوہ نبوی ،ص ۴۷

۴۳۔ مصطفیٰ السباعی، سرور انسانیت بہ طرز پند ونصائح ،مترجم: نور الٰہی ایڈوکیٹ، نقوش رسول نمبر، ادارہ فروغ اردو لاہور، ۱۲/۳۸۹

۴۴۔ ڈاکٹر محمد سعید رمضان البوطی، دروس سیرت، مترجم: محمد رضی الاسلام ندوی ،نشریات لاہور، ۲۰۰۷ء ص ۱۳۰۔۱۳۱

۴۵۔ سرور انسانیت، ص ۳۸۹۔۳۹۰

۴۶۔ خالد مسعود، حیات رسول امّی ،قرآن وسنت اکیڈمی، نئی دہلی، ۲۰۰۴ء، ص ۱۱۰۔۱۱۱

۴۷۔ حوالہ سابق، ص ۱۱۳

۴۸۔ حوالہ سابق، ۱۲۰۔۱۲۱

۴۹۔ مولانا شاہ محمد جعفر پھلواروی ، پیغمبر انسانیت ، ادارۂ ثقافت اسلامیہ لاہور، ۱۹۹۵ء، ص ۵۳۔۵۴

۵۰۔ طبقات ابن سعد، تذکرہ حضرت ارقمؓ، المستدرک ،۳/۵۷۵

☆☆☆

ادارۂ تحقیق و تصنیفِ اسلامی کی دو اہم مطبوعات

قرآن، اہلِ کتاب اور مسلمان

ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی

قرآنِ کریم میں اہلِ کتاب (یہود و نصاریٰ) کے حالات پر بہت تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ ان پر اللہ تعالیٰ کے انعامات و احسانات، ان کی بد اعتقادیوں اور بد اعمالیوں کی تفصیلات اوران کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے دی جانے والی سزاؤں اور تنبیہوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اہلِ کتاب کے اس مفصل تذکرہ کا مقصد کیا ہے؟ اس میں مسلمانوں کے لیے عبرت و نصیحت کے کون سے پہلو ہیں؟ اوراس سے انہیں کیا رہنمائی ملتی ہے؟ اس کتاب میں ان موضوعات سے بحث کی گئی ہے۔

کتاب پر مولانا سید جلال الدین عمری کا مبسوط اور تحقیقی مقدّمہ بھی ہے۔

عمدہ کاغذ، آفسیٹ کی حسین طباعت، دیدہ زیب سرورق، صفحات: ۲۹۶، قیمت =/ ۷۰ روپئے

حضرت ابراہیم علیہ السّلام

ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی

اس کتاب میں ابوالانبیاء خلیل اللہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حیاتِ طیبہ اور دعوتی و تبلیغی جدّ وجہد کا ایک کا جامع مرقع پیش کیا گیا ہے اور ملّتِ ابراہیمی کے بنیادی عناصر، ملّتِ ابراہیمی کے حاملین، ملّتِ ابراہیمی سے انحراف، ملّتِ ابراہیمی اور اسلام، نصاریٰ اور ملّتِ ابراہیمی جیسے اہم موضوعات پر محقّقانہ اور داعیانہ بحث کی گئی ہے۔ ایک ایسی جامع اور تحقیقی کتاب جو ملّتِ ابراہیمی سے متعارف کرانے کے ساتھ اسوۂ ابراہیمی سے بھی روشناس کراتی ہے۔ صفحات: ۲۰۰ قیمت =/ ۶۰ روپئے

ملنے کے پتے

ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی، پوسٹ بکس نمبر: ۹۳، علی گڑھ-۲

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلیشرز، دعوت نگر، ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی-۲۵